جلد02 شمارہ16، 2023

Article

Feminine meaning in Tahira Iqbal's novel "Graan"

طاہرہ اقبال کے ناول "گراں" میں نسائی معنویت

Dr. Ishrat Hussain[1]**, Dr. Sajid Javed**[2]
[1]Assistant Professor, Department of Urdu, Govt. Graduate College for Women, Multan.
[2]Assistant Professor, Department of Urdu, University of Sargodha.
*Correspondence: ishrathussain216@gmail.com

ڈاکٹر عشرت حسین[1]**، ڈاکٹر ساجد جاوید**[2]
[1]اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، گورنمنٹ گریجوایٹ کالج برائے خواتین، مخدوم رشید، ملتان، [2]اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، یونیورسٹی آف سرگودھا

Abstract: In Urdu literature Pakistani women have been contributing their feminist skill and sensitivity to poetry, fiction, novel, drama, travelogue analytic and other creative writing. The paper seeks to offer a reading of Tahira Iqbal Novel "Garan". The setting of her most stories in rural Punjab. She writes about the constant struggle between villagers and the feudal system which still hunts Pakistan. In her work, she takes local Punjabi words and infuses term in Urdu. Her stories are filled with local idiom and ethos of the places. She resides in "Garan" Novel is about the lives of Potohari women whose husband, have left the village to work in other countries. Their children grow in the absence of their father. She zealously wrote about social equality of women in Potohari society. The methodology focused on textual analysis to reveal the feminist concept of her. She spoke of sexuality, abortion, lesbianism and desire of waiting women for their husband.

Keywords: Feminism, Tahira Iqbal, Potohar, Cultural values, female characters, Waite

eISSN: 2073-3674
pISSN: 1991-7813
Received:12-09-2023
Accepted:21-11-2023
Online:20-12-2023

Copyright: © 2023 by the authors. This is an open-access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

اردو ادب میں خواتین کا حصہ بہت جاندار اور متحرک رہا ہے۔ خواتین قلم کاروں کی تحریروں میں خود شناسی، حوصلہ مندی، اضطراب، عصری آگاہی کے ساتھ نسائی حسیت موجود ہے۔ ابتدا ہی سے خواتین نے تخلیقی اور تعلیمی سرگرمیوں میں اپنا نام پیدا کیا۔ خواتین کا رسالہ ''تہذیب نسواں'' محمدی بیگم نے جاری کیا۔(۱) اس کے علاوہ ماہنامہ ''خاتون'' عصمت وہ ابتدائی رسائل ہیں جن سے خواتین کی فکر اور شعور کا سراغ لگایا جاسکتا ہے۔ زاہدہ خاتون شیروانیہ پہلی شاعرہ ہیں جن کی توانا فکر و شعور کو معروف نقاد شان الحق حقی یوں سراہتے ہیں:

> ''ویسے زاہدہ ایک مسلمان مجاہدہ ہیں جب قومی اور جذبہ حریت سے سرشار، اصلاح، معاشرت، خصوصاً آزادی نسواں کی طلب گار، ان کا طویل مسدس ''آئینہ حرم'' اقبال کے شکوے کا ہمرنگ و ہم آہنگ ہے یہ ۱۹۱۵ء میں لکھا گیا جب شاعرہ کی عمر ۲۱ سال تھی۔''(۲)

ابتدائی رسائل جن خواتین نے شائع کیے ان میں خورشید بانو اہم نام ہے جنھوں نے ابتدائی رسائل میں خواتین کی سماجی حیثیت کو اپنی فکر اور دانش کے ذریعے معاشرے کے سامنے پیش کیا۔ خواتین ناول اور افسانے میں جو کارنامے سرانجام دے چکی ہیں وہ کسی سے ڈھکے چھپے نہیں۔ انہوں نے اپنی صلاحیتوں کا بھرپور اظہار کرتے ہوئے اردو ادب کا دامن معرکتہ الآراء تحریروں سے بھر دیا۔ ان کا ناول ان کے صاحب زادے محمد سلیمان نے والدہ سلیمان کے نام سے ۱۸۹۶ء میں شائع کیا۔(۳) بیگم نذر سجاد حیدر، بیگم امتیاز علی تاج کے نسوانی کرداروں نے پڑھنے والوں کی توجہ حاصل کی۔ انھوں نے جذباتی اور فکری گھٹن کو موضوع بنایا۔ اس وقت ہندوستان میں خواتین کی اصلاح کی تحریکیں بھی اپنا کام کرتی رہیں تاکہ خواتین کے سماجی وجود کو تسلیم کیا جائے۔

> ''برطانوی ہندوستان کے ہر خطے میں اصلاح کار تھے جنھوں نے ستی، دختر کشی، کثرت ازدواج، بچپن کی شادی، پردہ اور دوسری سماجی برائیوں کے خلاف تحریک چلائی۔ دھیرے دھیرے بہت سی انجمنیں بننے لگی۔ ان لوگوں نے خصوصی طور پر عورتوں کی مجموعی حالت سدھارنے پر زور دیا۔''(۴)

برصغیر میں نسائی ادب کی ابتدائی تحریروں میں خواتین قلم کاروں کی نسائی حسیت عورت کے ساتھ ناانصافیوں پر شدید احتجاج کرتی دکھائی دیتی ہے۔ ''مرد جانتا ہے کہ عورت پابندیوں میں جکڑی ہوئی ہے اسے رو رو کر مر جانے کے سوا کوئی چارہ نہیں اگر اسے خوف ہوتا عورت اس کی بدمزاجی کا جواب دے سکتی ہے تو وہ کبھی ناانصافی کرنے کی جرأت نہ کرپاتا۔''(۵) عصمت چغتائی زمانے سے بغاوت کرنے والی عورت کو موضوع بناتی ہیں جو اپنے حق کے لیے شکست قبول نہیں کرتی۔ نسائی تغیر کو قراۃ العین حیدر جس انداز سے پیش کرتی ہیں وہ کسی اور کی تحریروں میں نظر نہیں آتا۔ وہ عورت کو دنیا کے مسلط کیے ہوئے مقدر کے آئینے میں دیکھتی ہیں۔

ڈاکٹر نیلم فرزانہ اردو کی خواتین ناول نگاروں کے بارے میں نقطہ نظر کو یوں واضح کرتی ہیں:

”جمیلہ ہاشمی نے نسوانی کردار حالات کے سامنے ڈٹ جاتے ہیں۔ خدیجہ مستور کے ناول ”آنگن“کی چھمی اور عالیہ کے کردار مرد کرداروں سے زیادہ مضبوط ہیں۔ بانو قدسیہ کے ناول ”راجہ گدھ“میں مردوں کی ہوس پرستی کی آڑ میں حرام حلال کے تصور اور عورت کے ساتھ ہونے والی ناانصافی کو پیش کیا گیا ہے۔“(۶)

خواتین لکھاریوں نے خواتین کے لیے نئی زندگی کا خواب دیکھا جہاں تعلیم وصحت کی بنیادی ضروریات ملنا۔ ان کا حق ہے ان کے تجربات اور مشاہدات نے گھر کی چار دیواری سے نکل کر معاشرتی و سماجی زندگی کے پیچیدہ مسائل کو اپنی گرفت میں لیا۔”اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان ناولوں نے عورت کی سماجی حالت کو بہتر بنانے میں اہم رول ادا کیا۔ اگر یہ کیا جائے کہ عورتوں کی تعلیم اور آزادی کے لیے مصلحین قوم کی کوششیں کبھی اتنی کامیاب نہ ہوتیں۔ اگر یہ مقبول ناولیں عورت کی حیثیت کو بہتر بنانے کی کوشش نہ کرتیں۔“(۷) مرد اساس معاشرے میں خواتین قلم کاروں نے بے باک تخلیقی و ادبی اظہار کے ذرائع پیدا کیے ان کی تحریروں میں اہم موضوعات عورت کا سماجی و تہذیبی استحصال، اپنے وجود کا احساس اور خواتین کے حقوق کا عدم تحفظ رہا ہے۔

جمیلہ ہاشمی اس حوالے سے کہتی ہیں:

”زندگی کی بنیادیں بدلنے کی ضرورت ہے۔ کام اور کوشش کی ضرورت ہے۔ عام ذہنی سطح کو بدلنے کی ضرورت ہے اور میں یہ کام کروں گی۔“(۸)

خواتین تخلیق کاروں نے فکر وشعور کے ساتھ اپنے اردگرد پھیلی ہوئی اس سماجی حقیقت کی تصویر کشی کی ہے جس میں عورت کسی نہ کسی شکل میں اہم رکن کی حیثیت رکھتی ہے۔ ترقی پسند تحریک خواتین قلم کاروں کے لیے سازگار ثابت ہوئی۔ خواتین نے نسائی حیثیت کے ساتھ ایسی تحریریں رقم کیں جو ادبی افق پر نمودار ہوئیں اور نسائی شعور کا معتبر حوالہ بنیں۔ پاکستان میں ہاجرہ مسرور، خالدہ حسین، بانو قدسیہ، رضیہ فصیح احمد، زاہدہ حنا، نیلم احمد بشیر، فردوس حیدر، رشیدہ رضویہ نے شاہکار تخلیقات پیش کیں۔ جنھوں نے پاکستان میں رہنے والی عورت کے احساسات، جذبات اور مشاہدات کو پیش کیا۔ یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ خواتین کی تحریروں میں وہ معاشرے کے رائج کرداروں سے ہٹ کر انفرادی وجود کی شناخت کو اہمیت دیتی ہیں۔(۹) عورت کے وجود سے وابستہ ہمارے سماجی نظریات، تصورات اس کے محکوم وجود کو پیش کرتے ہیں اور ہمارے مرد اساس معاشرے میں ڈری، سہمی، نازک نرم خو ور نرم دل عورت کو مثالی سمجھا جاتا ہے۔

ڈاکٹر سلیم اختر کے الفاظ ہیں:

”ہمارے ہاں عورت کے بارے میں جسم، ذات، وجود اور شخصیت کے بارے میں سنجیدہ سوچ اور پھر ہمہ گیر خیالات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ ویسے بھی عورت اور اس کے تعلقات کے ضمن میں اگرچہ ہر شخص گفتار کا غازی ثابت ہوتا ہے مگر اس کے پاس نہ تو نفسیاتی مطالعہ

ہوتا ہے اور نہ ہی وہ عمرانی اور اقتصادی شعور جس کی روشنی میں وہ غیر متعصبانہ گفتگو کا اہل ثابت ہو سکے۔"(۱۰)

پاکستان میں اہل قلم خواتین نے یہاں رہنے والی عورت کی زندگی کے تمام پہلوؤں کو اپنی تخلیقات میں پیش کیا۔ عورت کا استحصال کرنے والے تمام رویوں کو قابلِ مذمت گردانا۔ "مرد اور عورت کے درمیان طے شدہ رشتوں کے علاوہ بھی تعلق ہوتا ہے احساسِ جرم اور احساسِ گناہ کے بغیر۔ تمام تر حرمتوں کے ساتھ۔ جیسے ایک آزاد شہری کا آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ"(۱۱) اس سوچ کو معاشرے میں پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ سبطِ حسن نے اپنے مضمون عورت کی محکومی و آزادی میں لکھا ہے:

"عورتوں کا جس طرح استحصال ہو رہا ہے ان سے فقط عورتوں کی فطری صلاحیتوں کا زیاں نہیں ہو رہا بلکہ اس صورت حال کا اثر پورے معاشرے کی مادی و فکری کاوشوں پر بھی پڑ رہا ہے۔ ماں، بیٹے، بھائی، بہن کا رشتہ حتیٰ کہ میاں بیوی کا رشتہ اب نفع نقصان اور سود و زیاں کے رشتے بن گئے۔"(۱۲)

پاکستان میں خواتین شاعرات، ناول نگار اور افسانہ نگار نے اپنی کاوشوں سے عورتوں کے حقوق کا شعور پیدا کیا۔ پاکستانی معاشرے میں بالواسطہ طور پر موضوعات اور کرداروں کے ذریعے تانیثی آگاہی کو فروغ دیا اور دوسری طرف عورت کی تنقیدی اور تخلیقی صلاحیتوں کو اہمیت بھی عطا ہوئی۔(۱۳)

آج پاکستان کی لکھنے والی عورت اس بات کو اہمیت دیتی ہے کہ اسے عزت اور وقار ملے، جنس کی سطح استحصال نہ کیا جائے۔ آج کی پاکستانی عورت کو اپنی کہانیوں میں پیش کرنے والی اہم تخلیق کار طاہرہ اقبال ہیں۔

طاہرہ اقبال کا تازہ ترین ناول "گراں" ہے۔ ناول میں مصنفہ نے پوٹھوہاری تہذیب سے وابستہ نسائی کرداروں کے ذریعے ایسے حقائق سے پردہ اٹھایا ہے جو اس سے پہلے کسی دوسری خاتون تخلیق کار کے ہاں مفقود دکھائی دیتے ہیں۔ یہاں ثقافت، تہذیب کی خواتین نمائندگی کرتی ہیں۔ ناول کا انتساب طاہرہ اقبال نے اپنے شوہر اقبال صاحب کے نام کیا ہے۔

یہاں ناول نگار نے ایسی خواتین کی خاموشی کو الفاظ عطا کیے جو زندگی کے درد وفاداری کے ساتھ اپنی زبان بند کیے برداشت کرتی ہیں۔ انھوں نے پوٹھوہاری کلچر کو تغیر اور تبدیلی کے تمام رنگوں کے ساتھ پیش کیا۔ قیامِ پاکستان کے بعد جب پرانی تہذیب دم توڑ رہی تھی اور نئی تہذیب وقت کے دروازے پر دستک دے رہی تھی، طاہرہ اقبال نے پوٹھوہاری خواتین کے احساسات کی خوب ترجمانی کی ہے۔(۱۴) کہانی کو وہاں سے شروع کیا گیا جب ان پہاڑوں میں ایک ہی برادری کے دس گھرانے آباد تھے۔ تقسیم کے دوران بھی یہاں پہاڑیوں میں کوئی نہ آسکا صرف ایک سکھ خاندان آیا۔

طاہرہ اقبال نے اپنے منفرد قلم سے نسائی کرداروں کے احساسات کی خوب ترجمانی کی۔ ناول میں 'شکیلہ جان' کا کردار ایک انتظار کرتی ہوئی لڑکی کا دکھایا گیا ہے جو اپنے منگیتر کا انتظار کرتی ہے۔ کراچی سے آنے والی ٹرین کی آواز ایک امید پیدا کرتی ہے لیکن کبھی شکیل

جان کی دل کی مرادیں برَ نہیں آتی۔ اکبر جان گزشتہ کافی عرصہ سے اپنے مستقبل کو تابناک بنانے میں مصروف ہے لیکن ''گراں'' کی وفادار عورت اس کے انتظار میں جدائی کے زینے پر چڑھتی چلی جارہی ہے۔ طاہرہ اقبال نے نسائی کرداروں کے ذریعے ان خواتین کی کیفیات کو خوبصورتی سے پیش کیا ہے۔

> ''ہو کو ہائے! چار سال گزر گئے۔ کپتان صاحب نہ آپ پھرے نہ کوئی سکھ سنیا بھیجا۔ شکیلہ جان اُڈیپ کی ہر گاڑی کو تنی اور خالی ٹرّیوں سے اٹھتے دھویں کو نگلتی جوانی کھا رہی ہے۔ ہائے کیوں نہ تکے۔ ٹھیکرے نی منگ اے اکبر خانے نی۔''(۱۵)

''گراں'' کی عورتیں وفاداری خوب نبھاتی ہیں۔ والدین نے انھیں جس نام سے جوڑ دیا موت تک اس ساتھ کو نبھاتی ہیں۔ تہذیب کی پاسداری کبھی شکیلہ جان نبھاتی نظر آتی ہے تو کبھی زرینہ جان جو اپنے منگیتر میر حسن کے لیے جوانی بیتا رہی ہے جب میر حسن کراچی کی سڑکوں میں گم ہو جاتا ہے تو وہ ساری زندگی اس کی قبر سے چپکی رہتی ہے۔ ناول نگار نے یہ بات باور کرائی ہے۔ ''گراں'' کی عورت انتظار کی مٹی سے بنی ہے۔

اسی طرح ''جھلی میرن'' کا ''عبدل'' اسے صرف انتظار در انتظار ہی دے سکتا ہے۔ طاہرہ اقبال نے پوٹھوہاری مرد کی کیفیات اور احساسات کو پیش کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے کہ یہاں کے مرد اکبر خان کی طرح اپنے مستقبل کو بہتر بنانے کے لیے اپنی سماجی حالت کو نمایاں کرنے کے لیے دوسری عورتوں سے شادی کر لیتے ہیں لیکن خاندانی رسوم عورتوں کے لیے ہیں جو صرف انتظار اور گہری چپ کے ساتھ اپنی خواہشات کو قربان کرتی ہیں۔ کئی مرد تو آرمی میں جا کر اپنے مستقبل کو محفوظ کر لیتے ہیں اور جدید زندگی سے ہمکنار ہوتے ہیں۔

خاندانی رسوم کو بُھلا کر ''عرب'' کی سمت خود کو موڑ لیتے ہیں اور نئی بیوی بچوں کے ساتھ زندگی میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ یہاں جو مرد فوج میں شرکت کرنے کے بعد اپنی روزمرہ زندگی کو ترقی سے ہمکنار کرتے ہیں۔ کچھ مرد شہادت کے رتبے پر فائز ہو کر صرف انتظار، دکھ اور درد ''گراں'' کی عورتوں کے نصیب میں لکھ جاتے ہیں۔ صنوبر جان ایسی ہی ایک مثال ہے۔

صنوبر جان کا شریکِ حیات بے شک فوج میں نہیں جاتا۔ اصغر خان کا کردار ان مردوں کی عکاسی کرتا ہے جو ستر اسّی کی دہائی میں خاص مزاج اور سوچ رکھتے تھے جو دولت کمانے کے لیے عرب ممالک کا سفر کرتے، پیسہ کماتے اور گھر والوں کی ضروریات کو پورا کرتے کرتے عمریں گزار دیتے۔ صنوبر جان کی قسمت میں بھی انتظار ہی رہا جس کا شوہر صرف چھ راتیں گزارنے کے بعد بیرون ملک سفر کرتا ہے۔ غزل جان کی پیدائش کے آٹھ برس کے بعد جب اس کا باپ لوٹتا ہے تو انسانی احساسات کو ناول نگار نے اپنے خاص اسلوب میں ڈھالا ہے۔ یہاں کی عورتیں کھانے پکانے میں خاص مہارتیں رکھتی ہیں۔ گھریلو دستکاری میں خاص مقام رکھنے کے علاوہ بچوں کی تربیت بھی خود ہی کرتی ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس سے پہلے پوٹھوہاری خواتین کے اسلوب زندگی کو کسی اور نے اس طرح پیش نہیں کیا۔ ریشمی دوپٹہ اُس کے سر سے اتار کر سفید سوتی دوپٹہ اوڑھا دیتی ہیں۔(۱۶)

طاہرہ اقبال نے ناول میں اس معاشرتی رویے کو بھی خوب دکھایا ہے کہ جب کسی عورت کا شوہر فوت ہو جاتا ہے تو ایسی غمزدہ عورت کو یہاں کا معاشرہ مزید سوگوار کرنے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھتا۔ عدت ختم ہونے کے بعد پھر کسی خاندانی مرد کے ساتھ اس کے نکاح کی کوششوں کو تیز کر دیتے۔ مطلب تمام فیصلے عورت کے حوالے سے خاندان ہی کر دیتے جہاں عورت کی خواہش یا ذات کو بالکل نظر انداز کیا جاتا۔ یہاں کی ظالم ساسیں جوان عورتوں کے لیے آزمائش ثابت ہوتی ہیں کیونکہ انھوں نے خود اپنی جوانی اپنے شوہروں کے ساتھ اجنبی بن کر گزاری ہوتی ہے۔ وہ گن گن کر بدلہ لینا اپنا جائز حق سمجھتی ہیں۔

بیرون ملک سے جو کمائی آتی ان سے عالیشان گھر تعمیر کیے جاتے لیکن کمانے والے کی بیوی کو قیمتی اشیاء کو ہاتھ لگانے کی اجازت نہ تھی۔ نہ وہ خود اپنی مرضی سے کھا سکتی تھیں۔ یہ وہ ساسیں تھیں جن کے بیٹے خون پسینے کی کمائی "گراں" میں بھیج رہے تھے لیکن وقت بدلنے کے ساتھ ناول نگار طاہرہ اقبال نے یہ بھی دکھایا ہے کہ جب "گراں" کے لوگوں کے پاس پیسہ آتا ہے تو یہاں کی عورت "غزل جان" کی طرح اعلیٰ تعلیم بھی حاصل کرنے یونیورسٹی جاتی ہے۔ "غزل" کا کردار ایک باغی لڑکی کا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ لڑکی "گراں" کی تمام بے بس مجبور عورتوں کا بدلہ لینے کی خواہش رکھتی ہیں۔ دوسری طرف تاج محل کہانی کے حصے میں اس جدید عورت کی سوچ اور خیالات کی عکاسی کرتے ہوئے طاہرہ اقبال نے اس نسائی حسیت کو اجاگر کیا ہے کہ یہ جدید عورت محبت کرنا جانتی ہے۔ وہ خود کو "تاج" سے الگ نہیں کر سکی۔ غزل جان انگلینڈ میں رہ کر یہ بھی جان پاتی ہے کہ برصغیر سے نکلنے والے لوگ اپنی شناخت سے محروم ہو کر یہاں چھوٹا سا اپنا علاقہ بنا لیتے ہیں۔

> "مرد تو کوئی رہا نہیں گھر میں کس جو گارِن پکا کے رکھے۔ ہائے کبھی عورتوں نے اس پوٹھوار میں دودھ چکھے جو اُبال کے رکھوں۔ گھی شکر مرد کھاتے ہیں۔ کس کے لیے روٹیاں چپڑوں۔ ڈاکٹر نے دودھ کے ساتھ دوائی بتائی ہے ہائے کیوں پیوں، جیون جوگے پردیس جھیل کر کمائیں اور میں اجاڑوں نہ کیوں اجاڑوں۔"(۱۷)

غزل جان دیکھتی ہے کہ "اب محبت کو احترام کا تعویذ بنا کر گلے میں پہننے کے زمانے ختم ہو چکے ہیں۔ اب محبت فطرت کی روانی کی طلب گار ہے۔ لیکن جب داغ دار پیلاہٹ زدہ سنگ مرمر والا اُس کا تاج محل گر جاتا ہے تو وہ دلبر داشتہ ہوتی ہے۔" عورت کی شناخت اور تکمیل ذات کے حوالے سے ڈاکٹر نجیبہ عارف لکھتی ہیں:

> "عورت کو بھی اپنی ذات کی تکمیل اور شخصیت کے اظہار کے وہ تمام مواقع ملنے چاہیں جو اب تک صرف مرد کا حصہ سمجھے جاتے تھے۔"(۱۸)

غزل جان کا کردار طاہرہ اقبال کی نسائی حسیت کا عمدہ عکاس ہے۔ یہ لڑکی بتاتی ہے کہ محبت فطرت کی روانی چاہتی ہے جو اپنے مقامی علاقے کی شناخت سے نہیں نکل پاتی۔

"طاہرہ اقبال نے پوٹھواری تہذیب و ثقافت میں تبدیلی اور تغیر دکھانے کے ساتھ ساتھ یہاں کی خواتین میں بیداری شعور بھی دکھایا ہے۔ یہ تلخ حقیقت بھی موجود ہے کہ یہ نئی نسل کی لڑکیاں پچھلی نسل کی عورتوں کے زیادہ بے سکون ہیں۔ "غزل جان" کا کردار ایسا ہی ہے جو خود مختار زندگی گزارنے کے باوجود بے سکون رہتی ہے۔ "عثمان خان" کے ساتھ چھ بچوں کو پیدا کرتی ہے قدرت کی ستم ظریفی کے سامنے بے بس ہے لیکن ہر بچے کے نام کے ساتھ تاج رکھنے کا اختیار رکھتی ہے۔ اُس کا نام نہاد شریک حیات "عثمان خان" اپنی انگلینڈ والی بیوی کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا تھا۔"(۱۹)

ناول میں جسبیر کور کا کردار بھی جاندار نسوانی کردار ہے۔ طاہرہ اقبال جدید وقت کے تقاضے بھی ناول میں دکھاتی ہیں۔ وقت جب بدلتا ہے تو عورت کی فطرت بھی بدلتی ہے۔ اب وہ وقت گزاری کے لیے محبت کے نام پر دھوکہ دہی فریب اور جھوٹ کا سہارا لیتی ہے۔ قیمتی ہوٹلوں میں قیمتی کپڑے میں ملبوس یہ خواتین اب بہت زیادہ اختیار رکھتی ہیں۔

ڈاکٹر خالد علوی لکھتے ہیں:

"بیوی کی حیثیت سے عورت ہمیشہ مظلوم رہی ہے کیونکہ یہی وہ تعلق ہے جس میں مرد کو اپنے اختیارات استعمال کرنے کا موقع ملتا ہے لیکن بیوی کو حقوق سے محروم رکھا جاتا ہے۔"(۲۰)

ناول کے آخری حصے میں سے ہجرت کرنے والے تارکین وطن کے جذبات اور مسائل کو پیش کیا گیا ہے جو اجنبی زمینوں میں جلاوطنی کاٹتے ہیں۔ غزل جان کے کردار نے کہانی کے آخر میں یہ بھی ثابت کیا ہے کہ پاکستانی عورت خواہ جتنے بھی جبر کا شکار ہو لیکن مامتا کے ہاتھوں مجبور ہے۔ "گراں" کی مٹی کی تاثیر میں محبت، اپنائیت ہے جو غزل جاں میں بھی موجود ہے جو آخر میں اپنے شوہر عثمان جان کی موت کا سوگ مناتی ہے۔(۲۱)

اس باغی عورت کے سامنے معاشرے کی تلخ سچائی موجود تھی۔ خواتین کے تمام دکھ درد کو اپنے دل میں سمائے رکھا۔ اب وہ بھی یہ کہنے لگی تھی۔ میری "کالی مرغی" کہیں گم ہو گی ہے۔ معاشرتی ترقی کے باوجود "گراں" کی عورت پُر احساس ہے۔ یہاں ایسی بیویاں بھی ملتی ہیں جو خوبصورت گھر میں رہتے ہوئے حقیقی خوشی حاصل نہیں کرپاتی۔ الطاف فاطمہ اس ناول کے بارے میں کہتی ہیں:

"گراں زندگی کے ایک ایک پل بدلتے روز و شب کے جلو میں لمحہ بہ لمحہ بدلتی موہوم ہے۔ موہوم کیفیتوں اور صوتی تاثرات قائم کرنا، اس انداز کی خلاقی اور تخلیقی ہنر کسی کسی کو ہی نصیب ہوتی ہے۔"(۲۲)

مصنفہ نے مردانہ سماج کی اس حقیقت کو بہادری سے پیش کیا ہے کہ یہاں مرد کو عورت کی خوشی سے کوئی سروکار نہیں لیکن اسے اپنی خوشگوار ازدواجی زندگی کے لیے حسین اور صحت مند عورت چاہیے ہوتی ہے۔ اس لیے یہاں ایسی خواتین بھی نظر آتی ہیں جو سب کچھ ہونے کے باوجود نفسیاتی تقاضے رکھتی ہیں جو اپنی ذات کا شعور رکھتے ہوئے اس سماج کے سامنے بہت سے سوالات اٹھاتی ہیں۔[۲۳] طاہرہ اقبال نے دیہی سماج کی جہالت اور توہم پرستی کے تناظر میں خوبصورت لڑکیوں پر عاشق ہونے والے "جن بھوت" کو موضوع بنایا ہے۔ جہاں ان خوبصورت لڑکیوں کے نفسی مسائل کو نہیں سمجھا جاتا بلکہ عاملوں فقیروں کے ذریعے درگاہوں سے علاج کرایا جاتا ہے جہاں ان لڑکیوں کی عزت بھی محفوظ نہیں رہتی۔ طاہرہ اقبال نے اپنی منفرد نسائی حسیت سے اس حقیقت کو پیش کیا ہے کہ ہماری درگاہیں بھی عورت کی عورت کو تحفظ دینے سے عاری ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ طاہرہ اقبال کے نسائی کرداروں میں احتجاج اور بغاوت کا عنصر نمایاں ہے۔ وہ پست ذہنیت رکھنے والے مردوں کو شدید طنز کا نشانہ بناتی ہیں جو عورت کو کمائی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ دولت مند جاگیر دار جس طرح عورت کے حسن کی قیمت وصول کرتا ہے۔

> "طاہرہ اقبال ان حسین عورتوں کے دکھوں اور اذیتوں کو بھی بیان کرتی ہیں۔ آج بھی ہمارے دیہاتوں میں یہ لڑکیاں اپنی عصمت و عفت کو زمینداروں کی بلند و بالا حویلیوں میں گروی رکھے ہوئے اپنے اوراپنے خاندان کی کفالت کرتی ہیں۔ عورت کی ناآسودگی اور نارسائی کو بھی طاہرہ اقبال نے بہت سی کہانیوں کا موضوع بنایا ہے۔ جہاں عورت اپنے مکمل وجود کے ساتھ اس سماج کی سنگین حقائق سے دوچار ہوتی ہے۔ جہاں عورت اپنا آپ بھول کر ذمہ داریوں کو نبھانے زندگی بسر کرتی ہے۔ واپسی کا کوئی راستہ باقی نہیں رہتا۔"[۲۴]

"گراں" کی عورت خاموش اور زبان بند رکھتی ہے یہاں پر مرد کو آزادی ہے کہ اپنی مرضی سے جیون ساتھی کا انتخاب کر سکتا ہے۔ عورت تو خاندان کی "پاسداری" کرتی زندگی گزارتی ہے۔ لیکن عورت تو اس سماج میں ایک مرد کے نام پر بھی اپنی جوانی کاٹ سکتی ہے۔ اس ناول میں نسوانی کردار اسی اذیت اور کرب میں پائے جاتے ہیں۔ ان کے منگیتر یا شوہر یعنی مرد حضرات فوج میں اعلیٰ خدمات سر انجام دے شہید ہو جاتے ہیں۔ اس طرح بیویاں اپنا گوشت پوست کے بے جان پر جسم پر تمغہ شجاعت سجائے عمریں گزار دیتی ہیں۔ یہ المیہ اس ناول میں پیش کیا گیا ہے۔ وفاداری اور خاموشی کے ساتھ زندگی بسر کرنے والی عورتیں اس سماج کی فرسودہ روایات پر نوحہ کناں ہیں۔ تخلیق کار نے ایک تہذیب کی تاریخ پیش کی ہے اور اس بدلتی ہوئی اقدار کو اپنی مخصوص نسائی حسیت کے ساتھ پیش کیا جب جدید دور کی عورت تعلیم حاصل کرتی ہے لیکن اسے نئے چیلنجز کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بغاوت اور جبر کے ساتھ اپنی زندگی کے نئے المیوں کا سامنا کرتی یہ عورت مضبوط بھی ہے اور کمزور بھی۔ کہانی کے مرکزی نسائی کردار مرد کو زیر کرنے کے لیے اپنے طریقے اپناتے دکھائی دیتے ہیں۔ سماجی اقدار کی تبدیلی ترقی کے باوجود پوٹھوہار کی جدید عورت اپنی مٹی کی تاثیر لیے ہے۔ اس کے دکھ اور درد بھی ہیں۔ آج بھی بغاوت کرتی ہے لیکن اپنے شریکِ حیات کی محبت میں بھی گم ہے۔ طاہرہ اقبال منفرد نسائی حسیت کی بدولت خاص مقام رکھتی ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ فاطمہ حسن (مرتب)، "فیمنزم اور ہم"، اردو ادب میں نسائی شعور، گذشتہ صدی سے عہد حاضر تک، کراچی: وعدہ کتاب گھر، ۲۰۰۵ء، ص ۸۴

۲۔ ایضاً، ص ۶۲

۳۔ زاہدہ حنا، عورت زندگی کا زنداں، دہلی: تخلیق کار پبلشرز، ۲۰۰۶ء، ص ۲۱

۴۔ اشرف لون، ترقی پسند اردو افسانے میں عورت کی عکاسی، نئی دہلی: جواہر لال نہرو یونیورسٹی، س ن، ص ۲۷

۵۔ حامد بیگ، مرزا، اردو افسانے کی روایت، اسلام آباد: اکادمی ادبیات، ۱۹۹۱ء، ص ۵۳

۶۔ نیلم فرزانہ، ڈاکٹر، اردو ادب کی خواتین ناول نگار، لاہور: فکشن ہاؤس، ۱۹۹۲ء، ص ۲۸۱

۷۔ صغرا مہدی، اردو ناولوں میں عورت کی سماجی حیثیت، نئی دہلی: سجاد پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۲ء، ص ۵۸

۸۔ جمیلہ ہاشمی، تلاشِ بہاراں، کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۶۱ء، ص ۲۷

۹۔ شمس الرحمن فاروقی، "تانیثیت کی تقسیم"، "خواتین کا عالمی ادب"، مشمولہ: سہ ماہی ادبیات، جلد ۱۵۔۱۷، شمارہ ۵۹۔ ۶۰، اسلام آباد، ۲۰۰۲ء، ص ۱۸۔۱۹

۱۰۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، پاکستانی شاعرات تخلیقی خدوخال، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء، ص ۱۳

۱۱۔ فردوس حیدر، تاحال، کراچی: ریسرچ فارم، ۲۰۰۷ء، ص ۱۳

۱۲۔ سبط حسن، ادب اور روشن خیال، مرتب: سید جعفر احمد، کراچی: مکتبہ دانیال، ۱۹۹۰ء، ص ۲۱

۱۳۔ سلیم آغا قزلباش، ڈاکٹر، جدید اردو افسانے کے رجحانات، کراچی: انجمن ترقی اردو، ۲۰۰۰ء، ص ۵۷۵۔۵۷۶

۱۴۔ اقبال نظر، دیباچہ، مشمولہ: گراں از طاہرہ اقبال، اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۱۹ء، ص ۹

۱۵۔ طاہرہ اقبال، گراں، ص ۲۵

۱۶۔ ایضاً، ص ۲۸

۱۷۔ ایضاً، ص ۲۹

۱۸۔ نجیبہ عارف، ڈاکٹر، رفتہ و آئندہ، اسلام آباد: پورب اکادمی، ۲۰۰۸ء، ص ۵۴

۱۹۔ طاہرہ اقبال، گراں، ص ۱۹۸۔۱۹۹

۲۰۔ خالد علوی، ڈاکٹر، عورت کی معاشرتی حیثیت ایک تاریخی جائزہ، اسلام آباد: ویمن انسٹی ٹیوٹ آف سائنس اینڈ ہیومینٹز، ۲۰۰۸ء، ص ۱۳۸

۲۱ طاہرہ اقبال، گراں، ص ۲۶۲

۲۲۔ الطاف فاطمہ، انشاء کی رانی، مشمولہ: گراں از طاہرہ اقبال، ص ۲

۲۳۔ یونس جاوید، گل و گلزار جھاڑی کی بات، مشمولہ: ریخت از طاہرہ اقبال، اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء، ص ۱۲۳

۲۴۔ فرخ زہرا گیلانی، طاہرہ اقبال کے افسانے، مشمولہ: ریخت، ص ۲۰۴